© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مثالی عسکری رہنما کے

ابوسلمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے قبل ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ قومیں چونکہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی مرض کی بیمار نہیں رہیں۔ کوئی قوم اخلاقی مریض تھی، کہیں کسی قوم نے دین میں بگاڑ پیدا کر دیا اور اپنے خالق و مالک حقیقی کو فراموش کر دیا تھا، کہیں حکومت و سیاست نے تباہی پھیلائی تھی اور انسانوں کو امن و عافیت اور آزادی کی دولت سے محروم کر دیا تھا، کہیں افراطِ زر نے کسی قوم کو عیاشی کی راہ دکھائی تھی، کہیں وسائل معاش کی کمی اور تنگی نے انسانوں کو جانوروں کی سطح پر پہنچا دیا تھا۔ چونکہ تمام انبیاء مختلف زمانوں، مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں مختلف بیماریوں کے علاج، خرابیوں کی درستگی اور حالات کی اصلاح کے لئے تشریف لاتے تھے اس لئے ضروری ہوا کہ پیغمبرانہ شخصیت کے لحاظ سے مراتب میں برابر ہونے کے باوجود اپنی استعدادوں، صلاحیتوں اور اپنی بعض خصوصیتوں کے لحاظ سے سب ایک ہی درجے کے نہ ہوں۔ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ و رفع بعضھم درجٰت۔

"یہ ہمارے پیغمبر ہیں، جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی (یعنی اگرچہ پیغمبری کے لحاظ سے سب کا درجہ یکساں ہے، لیکن اپنی اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مختلف درجے رکھتے ہیں) ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جن سے اللہ نے کلام کیا، (یعنی اپنی کتاب نازل کی) اور بعض ایسے تھے جن کے درجے (ان وقتوں اور حالتوں کے مطابق، دوسری باتوں میں) بلند کئے۔"

سب سے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ چونکہ کسی ایک ملک، کسی خاص قوم اور کسی خاص زمانہ ہی کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے، بلکہ تمام عالم کے لئے اور ہمیشہ کے لئے بھیجے گئے تھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز آپ کے پیش نظر اخلاقی یا عمرانی کوئی ایک یا چند بیماریوں اور خرابیوں ہی کی اصلاح نہ تھی بلکہ تمام دنیا کو اور ہر قسم کی تمام بیماریوں سے اور ہمیشہ کے لئے نجات دلانی تھی اس لئے وہ تمام استعدادیں، صلاحیتیں اور خصوصیتیں جن سے انبیاء سابقین کو متصف کیا گیا تھا۔ آپؐ میں بدرجہ کمال موجود تھیں۔ حضورؐ فداہ ابی وامی کے اسی مقامِ عظمت کی جانب اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عظمت کا بہت ہی خوب نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل کے "باب حقیقۃ النبوّت وخواصہا" میں انھوں نے بتایا ہے کہ انسانی طبقات میں "مفہمین" کا درجہ سب سے زیادہ بلند ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے بتایا ہے کہ استعداد کے لحاظ سے مفہمین کے سات درجے یعنی کامل، حکیم، خلیفہ، مؤید بروح القدس، ہادی ومزکیؓ، امام اور منذر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں مختلف حالتوں میں مختلف صلاحیتیں اور استعدادیں عطا فرماتا ہے۔ ان سے اوپر نبی کا درجہ ہوتا ہے نبی میں وہ مختلف استعدادیں جو مختلف مفہمین کو عطا کی جاتی ہیں ان میں سے ضرورت اور حالات کے تقاضے کے مطابق کئی کئی استعدادیں ایک ایک نبی کی شخصیت میں جمع کر دی جاتی ہیں۔ اس مقامِ نبوت سے اوپر مقامِ ختم نبوت ہے، اور اس مقام پر فائز پیغمبرانہ شخصیت یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ تمام استعدادیں اور صلاحیتیں جمع ہو گئیں جو سابقہ انبیاء علیہم السلام میں تھیں، یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ استعدادیں جن کا حامل مفہمین کا ایک ایک فرد تھا، آپؐ کے وجودِ قدسی میں وہ تمام کی تمام جمع ہو گئیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مفہمین کی جتنی قسمیں ان کی استعداد کے لحاظ سے بتائی ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اتنے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ شخصیت کے پہلو ہیں۔ یعنی یہ وہ بڑی بڑی استعدادیں ہیں جن کے آئینے میں حضور اکرمؐ کی شخصیت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہر استعداد اپنا ایک ہی پہلو نہیں رکھتی بلکہ ایک استعداد کے بھی کئی کئی پہلو ہوتے ہیں۔ یہاں ہمارے پیش نظر تمام استعدادوں کا نفسیاتی تجزیہ نہیں ہے بلکہ ہم یہاں آنحضرت صلعم کی استعداد "خلافت" کے صرف ایک پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی "خلیفہ" کے بارے میں حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل باب حقیقۃ النبوّت میں تحریر فرماتے ہیں :-

خلافت
ستمبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من کان اکثر حالہ تلقی السیاسیات الکلیۃ ثم وفق لاقامۃ العدل فی الناس وذب الجور عنہم یسمی خلیفۃ۔

وہ شخص جو سیاسیات کلی سے بہرہ ور ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہو پھر اُسے یہ بھی توفیق ملے کہ وہ لوگوں میں عدل قائم کرے اور ان کو ظلم سے بچائے۔ اس کو خلیفہ کہا جائے گا۔

خلیفہ کو عدل کے قیام اور ظلم وجور کے دفعیہ کے لیے بعض اوقات تلوار بھی اُٹھانی پڑتی ہے۔ اس کی بصیرت محسوس کر لیتی ہے کہ ظالموں کی سرکوبی کے بغیر امن وعافیت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ طاقت اور قوت کے استعمال کے بغیر ظلم وجور سے دنیا کو پاک نہیں کیا جا سکتا۔ عدل کے قیام کے لئے ظالموں اور بدکاروں کا خون بھی بہانا پڑتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عدل کے قیام اور جور وستم اور ظلم وعدوان کے دفعیہ کے لئے طاقت اور قوت کا استعمال کرنا پڑا۔ آپ نے بھی تلوار اُٹھائی، فوجوں کو ترتیب دیا اور میدانِ جہاد میں ان کی رہنمائی فرمائی۔ یہیں سے آپ کی شخصیت کا ایک اہم پہلو تاریخ کے صفحات پر نمودار ہونے لگتا ہے یعنی ایک عسکری رہنما کی حیثیت سے آنحضرت صلعم تاریخ کے صفحات پر نمودار ہوتے ہیں۔

اگرچہ آپ کی یہ حیثیت مستقل اور کلی نہیں بلکہ استعداد خلافت کا ایک پہلو، ایک کُل کا ادنیٰ جز اور پیغمبرانہ شخصیت کا ایک ضمنی پہلو ہے لیکن دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جرنیل کے مقابلے میں آپ کی شخصیت کا یہ ضمنی پہلو بھی زیادہ شاندار اور زیادہ پُرعظمت ہے۔ اور اگر ایک مثالی عسکری رہنما کی تلاش کی جائے تو آپ کی شخصیت کے سوا کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہ اُترے گی۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دنیا کے ایک زبردست جرنیل اور ایک عظیم عسکری رہنما تھے۔ لیکن آپ میں اور دنیا کے دوسرے جرنیلوں میں ایک بہت بڑا اور اصولی فرق ہے۔ سب سے پہلے اس فرق کو سمجھ لینا چاہیئے۔

اسلامی اور غیر اسلامی جنگ میں نہ صرف نصب العین کا فرق ہے بلکہ اصول وطریق جنگ میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پچھلی سطروں میں حجۃ اللہ البالغہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی

خلافت کا مقصد

(۱) قیام عدل اور (۲) دنیا سے جور وستم کا خاتمہ ہے۔

اسلامی خلافت کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں طویل اور عالمانہ بحثیں کی گئی ہیں اور قرآن مجید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی متعدد آیات سے خلافت کے قیام کی غرض و غایت پر روشنی پڑتی ہے لیکن ہم یہاں قرآن کی صرف ایک آیت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس باب میں اصل الاصول یہی ہے اور جو کچھ ہے اسی کی شرح و تفصیل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

واذ قال ربك للملٰئکة انی جاعل فی الارض خلیفة قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفك الدماء۔۔ (۲–۳۰)

جب ایسا ہوا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا: "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" فرشتوں نے عرض کیا "کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی"

اس آیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا مقصد (۱) زمین میں امن قائم کرنا اور (۲) دنیا کو قتل و خونریزی سے بچا کر انسانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ اس لئے کہ قتل و خونریزی اور ظلم و جور کی بنیاد ہمیشہ یہی رہی ہے کہ ایک انسان یا انسانوں کا ایک گروہ اپنے حق پر اکتفا نہ کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق کو غصب کر لینا چاہتا ہے اور کوئی شخص اپنے حق کو اس وقت تک چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا جب تک اس کے لئے قطعی طور پر مجبور ہی نہ کر دیا جائے۔

غور فرمائیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خلیفہ کی جو تعریف کی ہے اور قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے خلافت کا جو مقصد متبادر ہوتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم کر لی جا سکتی ہے کہ اسلامی جنگ کا مقصد ان مقاصد جلیلہ کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ تمام قوتیں اسلام کی جنگی مخالف ہیں، جن کی وجہ سے دنیا کا امن خطرہ میں ہو یا وہ لوگوں کے حقوق غصب کر رہی ہوں اور جن کے ظلم و ستم کی دست درازیوں نے انسانی زندگی کا امن و عافیت تباہ و برباد کر دیا ہو۔ اسلام کسی ایسی قوم سے تعرض نہیں کرتا جو اسلامی نظام حیات اور عقائد پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود پُر امن زندگی گزار رہی ہو اور اس نے دوسروں کو بھی امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے کی مہلت دی ہو لیکن اگر کوئی ظالم قوت انسانی زندگی کے امن و عافیت کو تباہ کر رہی ہو تو اسلام اس سے صرف نظر کی اجازت نہیں دیتا۔ نیز کسی ایسی طاقت و قوت کو جو امن و عدل کے قیام اور جور و ستم کو مٹانے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے تو وہ اسے طاقت کے ذریعے اپنے راستے سے ہٹا دینے کی نہ صرف اجازت بلکہ حکم دیتا ہے۔ اسلام اس وقت تک ان قوتوں کے ساتھ کسی رعایت کی اجازت نہیں دیتا جب تک جور و ستم کا کلی طور پر خاتمہ نہیں ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ظالم قوت کو اس حد تک مفلوج نہیں کر دیا جاتا کہ وہ آئندہ سر نہ اٹھا سکے۔

اس کے برخلاف غیر اسلامی جنگوں کا مرکز و محور ہمیشہ شخصیات رہی ہیں یا زیادہ سے زیادہ ممالک یعنی اسلامی جنگیں انسانیت کی فلاح کے اصول پر لڑی جاتی ہیں۔ جبکہ غیر اسلامی جنگوں کا مقصد شخصی مفاد یا ملکی برتری ہوتی ہے۔ اصطلاح میں اس کو "اصلاحی جنگ" اور "انتقامی جنگ" کہا جا سکتا ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی جنگ کے مقصد اور نصب العین کی جانب ان اشارات کے بعد نامناسب نہ ہوگا کہ اسلامی اور غیر اسلامی جنگ کے طریقوں کی جانب بھی اشارہ کر دیا جائے۔

غیر اسلامی دنیا کے سامنے "محبت اور جنگ میں سب کچھ روا ہے" کا اصول رہا ہے۔ جب کہ اسلام میں سب کچھ روا ہے کا کوئی نظریہ نہیں ملتا۔ اسلام کے سامنے نہ صرف جنگ کا ایک مقصد ہے بلکہ اس کا ایک مخصوص طریقہ کار بھی ہے۔

جنگ کے مقصد اور طریق کا یہی فرق تھا جس کی وجہ سے ایک عام جرنیل کا منتہائے کمال یہ قرار پائے گا کہ:

"اس نے بہت بڑے رقبہ زمین کو فتح کیا ہو، انسانوں کی عظیم تعداد کو غلام بنایا ہو اور بڑی آبادیوں کو ویران و تہ تیغ کیا ہو۔ وہ انسانیت اور اس کے امن و عافیت کے لئے قوت و طاقت کی آندھی بن کر اٹھا ہو اور قہر و غضب بن کر چھا گیا ہو۔"

اسلام اس چیز کو نہ صرف یہ کہ معیار کمال نہیں سمجھتا بلکہ اس کو ایک عظیم معصیت قرار دیتا ہے پس حضور صلعم کا بحیثیت ایک فوجی جرنیل اور عسکری رہنما کے یہ منتہائے کمال نہیں قرار پا سکتا کہ آپ نے کتنے بڑے رقبہ کو فتح کیا؟ کتنے انسانوں کو غلام بنایا اور کتنی آبادیوں کو ویران و تہ تیغ کیا۔ بلکہ آنحضرت صلعم کا معیار فضل و شرف یہ قرار پائے گا کہ:

"آپ نے جن ناگزیر حالات میں اور جن اعلیٰ مقاصد کے لئے جنگ کو استعمال کیا، اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے اور ان حالات سے عہدہ برآ ہونے میں آپ نے کس بالغ نظری کا ثبوت دیا۔"

جنھوں نے حضور صلعم کی زندگی کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ مکی زندگی کے آخری دنوں میں دعوت اسلامی کس نازک دور سے گذر رہی تھی، اب داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دو ہی راستے تھے، ایک یہ کہ دعوت اسلامی کو ختم کر دیا جائے، دوسرا یہ کہ آپ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر آمادہ ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ پہلی صورت قطعاً ناممکن تھی اس لئے دوسری اور آخری صورت ہی کو اپنایا جاسکتا تھا، لیکن کسی انقلابی دعوت اور تحریک کے لیے مرکز کی جتنی اہمیت ہوتی ہے، اس سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا۔ سوال یہ تھا کہ مکہ چھوڑنے کے بعد اِسلامی اِنقلابی دعوت کا مرکز کس جگہ بنایا جائے۔

اس وقت کچھ مسلمان حبشہ میں تھے۔ وہاں کا بادشاہ بھی مسلمانوں کا طرفدار اور ہمدرد تھا۔ آنحضرتؐ بھی وہاں تشریف لے جاسکتے تھے۔ دوسری جگہ مدینہ تھی وہاں بھی مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت موجود تھی لیکن ان کو کسی بادشاہ کی حمایت و ہمدردی حاصل نہ تھی۔ ان کے پاس کوئی قلعہ نہ تھا کہ پناہ گاہ کا کام دیتا۔ یہاں کفار جب چاہتے چڑھ کر آسکتے تھے اُن کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

حبشہ میں کفارِ مکہ اپنے اُس وفد کا انجام دیکھ چکے تھے جو انھوں نے شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن اس نے ایسا کرنے سے صاف اِنکار کر دیا تھا۔ اس پر حبشہ ایک جائے اطمینان اور گوشۂ عافیت بن سکتا تھا اور وہاں دعوت کے پھلنے پھولنے کے بظاہر امکانات بھی تھے لیکن حبشہ انقلابی دعوت کا مرکز نہیں بن سکتا تھا۔

ظاہر ہے کہ حبشہ میں شہنشاہیت قائم تھی اور شہنشاہیت اپنی حدود میں کسی انقلابی دعوت کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ قریشِ مکہ کے مقابلے میں بادشاہ مسلمانوں کا طرفدار تھا لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ شہنشاہیت کسی ایسی انقلابی دعوت کو بھی پنپنے دے گی جو اس کے خلاف بھی ہوسکتی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ آئندہ ایسے حالات پیش آجاتے کہ طرفداری مخالفت میں اور ہمدردی دشمنی میں تبدیل ہوجاتی۔ اس کے برخلاف مدینہ میں کوئی شہنشاہیت قائم نہ تھی۔ اس لئے دعوتِ اسلامی کے انقلابی رنگ اختیار کرنے میں کسی کے مزاحم ہونے کا بھی خطرہ نہ تھا۔ یہاں اِسلامی انقلابی دعوت کے پھلنے پھولنے کے پورے مواقع موجود تھے۔ چنانچہ حبشہ کی بجائے مدینہ کو اِسلامی انقلابی دعوت کا مرکز بنانے میں یہی فوجی حکمت عملی تھی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بصیرت اور تدبر کی روشنی میں دیکھ لیا تھا۔

صرف یہی ایک واقعہ حضور صلعم کی عسکری بصیرت کے ثبوت کے لئے کافی ہے نیز حضور صلعم کی دس سالہ مدنی زندگی کے سینکڑوں واقعات ہیں، جن سے فوجی معاملات میں آپؐ کی بالغ نظری کا ثبوت ملتا ہے۔

جنگی معاملات میں رازداری اور خفیہ کارگزاری کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے کون اِنکار کرسکتا ہے۔

فتح مکہ کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ حضورؐ نے جنگ کی تیاری میں ایسی رازداری اور احتیاط سے کام لیا تھا کہ جب اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی فوجیں اہلِ مکّہ کے سروں پر پہنچ گئیں تو انھیں خبر ہوئی کہ مسلمان آپہنچے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بغیر کسی خون خرابے کے مکّہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا لیکن اس کامیابی کا دوسرا پہلو بھی ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ سالار بیت الحرام صلعم نے فوج کی ترتیب میں جس بالغ نظری کا ثبوت دیا، وہ انتہائی اہم اور آپؐ کی فوجی بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ جب قریشِ مکّہ نے تحقیق حالات کے لئے اپنے جاسوسوں کو بھیجا اور انھوں نے اسلامی سپاہ کا پُر شکوہ انداز و ترتیب میں نظارہ کیا تو ان کے دل دہل گئے اور ہمتیں پست ہوگئیں اور یہ حالت سردار قریش ابوسفیان (جو کہ اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے) سے بھی پوشیدہ نہ رہی اسے بھی حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ "آج مسلمانوں سے ٹکر لینا قریش کے بس کی بات نہیں۔"

جنگِ بدر میں فتح یقیناً تائیدِ غیبی کا نتیجہ تھی لیکن اگر اس کارزارِ ہستی میں اسباب و علل کا کوئی وجود ہے تو اس فتح کو بھی اس سے بے نیاز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

جنگِ بدر میں ایک ہزار آہن پوش، مسلّح اور ماہرین جنگ کی سرکردگی میں ایک منظّم فوج کے مقابلے میں تین سو تیرہ بے سروسامان اور غیر مسلّح مسلمانوں کی کامیابی انھیں اسباب کی رہینِ منّت تھی جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فوجی بصیرت و دانائی نے مہیّا فرما دیئے تھے۔

فوجی نقطۂ نظر سے مخالف و مقابل فوج میں بے اطمینانی اور انتشار پھیلانے اور اپنی فوج میں اعتماد پیدا کرنے کو بہت اہم قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو میدانِ جنگ میں فوجیں مصروفِ پیکار ہوتی ہیں۔ دوسری طرف نشر و اشاعت کے تمام ذرائع ایسی خبریں اور ایسے انداز سے پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں جس سے اپنی فوج میں اطمینان و اعتماد پیدا ہو اور متحارب ملک اور مقابل فوج میں بے اطمینانی اور انتشار پھیلے۔

جنگِ بدر میں فوجی حکمت عملی کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔ جس جگہ جنگ لڑی گئی یہ ایک ریتلا میدان تھا مسلمان فوج کے لئے جن میں اکثریت پیدل مجاہدین کی تھی ایسی جگہ جنگ لڑنے کا مقصد ہی باعث پریشانی تھا لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رات کی بارش سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جنگ کے لئے میدان کے اس نشیبی حصّہ کا انتخاب کیا، جہاں پانی نے جمع ہوکر زمین کو سخت کر دیا تھا۔ اور جانوروں کے پینے اور دوسرے استعمال کے لئے پانی کا ایک وافر ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔ ریت جم جانے کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بھی آسانی پیدا ہوگئی تھی۔ دوسری شب میں ٹھنڈی اور جمی ہوئی ریت میں مجاہدین کو خوب اطمینان و سکون کی نیند آئی جس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان جب صبح سو کر اُٹھے تو تازہ دم اور چاق و چوبند تھے چنانچہ وہ پوری دلجمی سے لڑے اور نتیجۃً کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

اگرچہ فوجی لحاظ سے زمین کے اس حصہ کے انتخاب میں ایک خرابی بھی تھی۔ وہ یہ کہ نشیبی حصہ میں کھڑی ہوئی فوج کے لئے بالائی حصہ پر کھڑی ہوئی فوج سے لڑنا ایک دشوار امر ہوتا ہے اور اس وجہ سے تو صورت حال اور بھی زیادہ خطرناک تھی کہ مسلمان پیدل تھے اور مقابل فوج کے پاس سواریاں تھیں لیکن مندرجہ بالا حقیقتوں کے پیش نظر اس وقت اور تشویش کی کوئی اہمیت نہ تھی چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بصیرت نے اس امر کا پورا اور صحیح اندازہ کر لیا تھا۔

دوسری انتہائی اہم بات جس سے آپ کی فوجی بصیرت اور بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے، یہ تھی کہ میدانِ جنگ میں واقع کنواں جو اپنے محل وقوع کے لحاظ سے بہت ہی اہمیت رکھتا تھا، اس کو حضور نے اپنی پشت پر لے لیا تھا تاکہ جہاں یہ مجاہدین کے لئے باعثِ اطمینان ہو، وہیں مقابل فوج میں انتشار اور بے اطمینانی کا باعث بن سکے۔

جنگی معاملات میں آلاتِ حرب کے بعد سب سے زیادہ اہمیت میدانِ جنگ کے محلِ وقوع کو حاصل ہوتی ہے۔ آپ دنیا میں مختلف جنگوں میں ناکامی کے اسباب کا مطالعہ کریں تو بہت سے واقعات اس جانب رہنمائی کریں گے کہ بعض اوقات جنگوں میں میدانِ جنگ کے لئے غلط اور نامناسب مقام کا انتخاب ہی ایک فوج کی ناکامی اور دوسری کی کامیابی کا سبب بنا ہے۔

جنگِ اُحد کے لئے آنحضرت صلعم نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا جب ہم اس کے محل وقوع اور اس کی اہمیت پر غور کرتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے اور فوجی معاملات میں آپؐ کی بصیرت کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا اس کی صورت یہ تھی کہ تقریباً تین طرف پہاڑیاں تھیں، جو ان کے لئے قدرتی اور ناقابلِ تسخیر قلعہ کا کام دے رہی تھیں۔ پشت پر ایک درّہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دور اندیشی سے کام لے کر اور اس کی اہمیت کا اندازہ کر کے ایک دستہ فوج کو اس پر مقرر کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ "فتح ہو یا شکست تم اپنی جگہ نہیں چھوڑو گے"

اب تین طرف سے اسلامی فوج بالکل محفوظ و مامون تھی اس لئے وہ پورے اطمینان و دلجمی کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لڑی اور فتح و نصرت نے قدم چومے لیکن درّہ پر متعین دستہ نے اپنی کوتاہ اندیشی سے درّہ کی جنگی اہمیت کو نظر انداز کر دیا۔ مخالف فوج کے ساتھ جس میں خالد بن ولید (جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے) جیسا ماہر جنگ اور مشہور کمانڈر موجود تھا، درّہ سے فائدہ اٹھانے کا ایک بہترین موقع تھا اس نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

غرضیکہ ہر معرکۂ جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجی قابلیت اور جنگی معاملات میں اپنی اعلیٰ بصیرت و دانائی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی حکمت عملی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ کی مدنی زندگی میں چھوٹی بڑی بیاسی (۸۲) جنگیں لڑی گئیں جن میں سے اکثر میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور جن میں آپ شریک نہیں ہوتے ان میں آپ کے مقرر کردہ سپہ سالاروں نے رہنمائی کی، تاریخ نے یہ بات ہم سے چھپائی نہیں کہ ان تمام جنگوں میں کُل ایک ہزار اٹھارہ جانیں ضائع ہوئیں ۲۵۹ مسلمان شہید اور بقیہ ۷۵۹ کفار مقتول ہیں۔ اس کے مقابلے میں جنگ عظیم کے مقتولین کی تعداد ۶۴ لاکھ ہے پھر اس کے نتائج پر بھی غور کیجئے عرب میں ۱۰۱۸ جانوں کے ضیاع کے بعد امن قائم ہو گیا۔ یمن کے تنہا مسافر کو ستانے والا کوئی نفس نہ تھا۔ ملک سے جوا، شراب، حرام خوری، ظلم، تشدد، بے حیائی، قتل، غارت گری، لوٹ مار غرضیکہ ہر طرح کی بدامنی اور بے اطمینانی کا خاتمہ ہو گیا، اس کے برعکس آپ بتائیں کہ ۶۴ لاکھ انسانی جانوں کے ضیاع کے بعد دنیا کے کس حصّہ میں امن قائم ہے۔؟

پھر کیا فوجی معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی بصیرت اور بالغ نظری کا یہ ثبوت نہیں کہ صرف ایک ہزار انسانوں کی قربانی سے اتنے عظیم نتائج برآمد کئے؟

اس کے علاوہ معرکہ ہائے حنین و تبوک وغیرہ تاریخ اسلام کے وہ مشہور واقعات ہیں جو فوجی معاملات میں حضور اکرمؐ کی انتہائی بصیرت اور بالغ نظری کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ لیکن ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

اور یہاں فرصت و اطمینان مفقود اور رسالہ کے صفحات محدود۔ ان چند اشارات ہی پر اکتفا کرنی پڑتی ہے۔

© rasailojaraid.com